شوکت صدیقی

سالِ وفات: ۲۰۰۶ء

شوکت صدیقی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۴۶ء میں ایم۔اے سیاسیات کیا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ لاہور آئے لیکن بعد میں مستقلاً کراچی میں سکونت پذیر ہوئے۔

اُنھیں ادبی ذوق قدرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا تھا۔ چنانچہ شوکت صدیقی کا رجحان شروع ہی سے ادب کی طرف تھا۔ اُنھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ افسانوں کے پہلے مجموعے ہی نے انھیں کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا۔ اُنھوں نے مختلف اخبارات میں کام کیا جن میں ''ٹائمز آف کراچی''، ''مارننگ''، ''مشرق'' اور ''مساوات'' کے نام قابل ذکر ہیں۔ روزنامہ ''مشرق'' میں انھوں نے کالم نویسی بھی کی۔

۱۹۵۹ء میں وہ پاکستان رائٹرز گلڈ کی مجلس عاملہ کے ممبر بنے۔ اسی سال انھیں ''پروگریسو رائٹرز موومنٹ'' کا صدر بھی بنا دیا گیا۔

افسانہ نگاری، فن صحافت اور کالم نویسی کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پائے کے ناول نگار بھی ہیں۔ یوں تو اُنھوں نے تین ناول لکھے اور تینوں ہی اُردو کے عمدہ ناول ہیں مگر ان کی وجہِ شہرت ان کا ناول ''خدا کی بستی'' بنا بلکہ قارئین تو بالعموم اُنھیں اسی کے حوالے سے پہچانتے ہیں۔

ان کی تصانیف میں ''تیسرا آدمی''، ''اندھیرا اور اندھیرا''، ''خدا کی بستی''، ''کیمیا گر''، ''جانگلوس'' اور ''چار دیواری'' شامل ہیں۔

شوکت صدیقی کو ۱۹۹۷ء میں ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ''تمغۂ حسنِ کارکردگی'' ملا۔ ۲۰۰۱ء میں عمر بھر کے مجموعی کام کے اعتراف کے طور پر اُنھیں پاکستان کا سب سے بڑا ادبی ایوارڈ ''لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ'' ملا جس کے ساتھ پانچ لاکھ روپے کا نقد انعام بھی دیا جاتا ہے۔

شوکت صدیقی کثیر الجہات ادیب ہیں اور بر یک وقت افسانہ نگار، ناول نگار، کالم نویس اور صحافی کی حیثیت سے اُردو ادب میں اپنا نام اور مقام پیدا کر چکے ہیں۔

شوکت صدیقی کی تحریروں کی کامیابی کا راز حقیقت پسندی ہے۔ وہ معاشرے کے حقائق اور مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بناتے ہیں۔ زبان و بیان کے حوالے سے وہ نہایت سلجھی ہوئی زبان استعمال کرتے ہیں جس میں ان کی جائے پیدائش لکھنؤ کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

شوکت صدیقی کی کردار نگاری بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان کے کردار معاشرے کے جیتے جاگتے کردار ہیں جو جامد اور مثالی نہیں بلکہ ان میں حقیقی زندگی کے تمام رنگ ملتے ہیں۔ یہ کردار ہم اپنے اردگرد چلتے پھرتے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں ''خدا کی بستی'' اور ''جانگلوس'' کے کردار ہیں۔ ان کے ہاں مکالمہ نگاری، جذبات نگاری اور منظر کشی کے بہترین مرقعے ملتے ہیں۔

شاملِ کتاب اقتباس ان کے مقبول ترین ناول ''خدا کی بستی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ ناول ایک سیریل کی صورت میں ٹیلی کاسٹ بھی ہو چکا ہے۔

شوکت صدیقی

خدا کی بستی

ستمبر کی ایک دھندلی صبح کو سلمان چپ چاپ اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بوسیدہ اٹیچی کیس لٹک رہا تھا۔ لباس ملگجا تھا اور سر کے خشک بال بکھرے ہوئے تھے۔

اس کی آمد پر نہ کوئی ہلچل پیدا ہوئی اور نہ ہی کسی نے توجہ دی۔ گھر کا ہر فرد سرد مہری سے پیش آیا۔ باپ نے تو بات تک کرنا گوارا نہ کی۔ البتہ ماں کی مامتا بلک اٹھی۔ وہ اسے سینے سے لگا کر دیر تک روتی رہی۔ چند لمحے اس کے چاروں طرف ہجوم رہا، پھر ہر شخص خاموشی سے اپنے کام کاج میں مصروف ہو گیا۔

سلمان نے غور کیا کہ اس کی غیر حاضری میں گھر میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ باپ ملازمت سے ریٹائر ہو کر پنشن پر آ گیا تھا۔ اس نے لمبی ڈاڑھی رکھ لی تھی۔ وہ بڑی پابندی سے پانچوں وقت نماز پڑھتا، کلام پاک کی تلاوت کرتا اور رات کو تہجد بھی پڑھتا، خاموش بیٹھا حقہ گڑگڑایا کرتا اور دینی کتابوں کا مطالعہ کرتا۔

باپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اطمینانِ قلب حاصل ہے۔ اسے فخر تھا کہ اس نے ۳۶ سال تک بڑی خوش اسلوبی سے سرکاری ملازمت کی اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیے۔ ہمیشہ افسرانِ بالا کو خوش رکھا۔ اس کا ریکارڈ صاف ستھرا رہا۔ اسے سوا تین سو روپے ماہانہ پنشن مل رہی تھی۔ مزے سے گزر رہی تھی۔ اس نے اپنی تمام اولادوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اچھی زندگی گزار سکتے تھے۔ اسے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ اس کا بیٹا سلمان نالائق رہ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سلمان نائب تحصیل دار نہیں تو کم از کم سب انسپکٹر پولیس ہی بن جاتا۔

ماں اپنی عمر سے زیادہ بوڑھی لگتی تھی۔ اس کے مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا تھا۔ وہ بات بات پر رونا پیٹنا شروع کر دیتی۔ کبھی اس گھر پر اس کی حکمرانی تھی مگر اب کاٹھ کباڑ کی طرح ناکارہ قرار دے کر گھر کے ایک کونے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ ایک کوٹھڑی نما مختصر کمرے میں پڑی کھانسا کرتی، پان چبایا کرتی اور چھالیا کترا کرتی۔ وہ اپنی اولاد کو سرکش اور بدتمیز سمجھتی تھی اور اولاد اسے جاہل اور کوڑھ مغز قرار دیتی تھی۔ گھر میں جب کوئی مہمان آتا تو اس کے کمرے میں باہر سے تالا لگا دیا جاتا۔ اس لیے کہ وہ بڑی بے سروپا باتیں کرتی تھی۔ اس کے لہجے سے نفاست اور شائستگی کے بجائے پھوہڑپن ٹپکتا تھا۔ وہ باتوں کی دھن میں اکثر ایسی باتیں کہہ جاتی جو معیوب ہوتی تھیں اور جن سے گھر کے وہ راز افشا ہو جاتے جن کو سات پردوں میں چھپانے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن یہی ایک ایسا وقت ہوتا جب وہ اپنی اولاد سے انتقام لے سکتی تھی۔

جب بھی گھر میں مہمان آتے تو اکثر یہی ڈراما ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمانوں کی آمد سے قبل ماں کے ڈھیروں مکھن لگایا جاتا۔ سو سو طرح سے اس کی خوشامد ہوتی، بار بار ہدایتیں دی جاتیں اور منت سماجت کر کے اسے کمرے میں بند کر دیا جاتا مگر یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا، اس لیے کہ وہ کمرے کے اندر سے بھی شور مچا سکتی تھی اور اس کا یہ اقدام بہت ہی خطرناک ہوتا تھا۔

ماں کو سب سے زیادہ شکایت اپنی چھوٹی بیٹی سے تھی جس کے سپرد ان دنوں خانہ داری کا سارا انتظام و انصرام تھا۔ یہ ذمہ داری سنبھال کر اس نے ماں کے حق پر ڈاکا ڈالا تھا جسے وہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس حق سے محروم ہونے کے بعد اس کی حیثیت گھر میں ملازموں سے بدتر ہو گئی تھی۔

سلمان کی بڑی بہن لاہور کے کسی کالج میں لیکچرار تھی۔ اس نے فلسفے میں ایم۔اے کیا تھا لیکن وہ خود ایک ہی فلسفے میں یقین رکھتی تھی اور وہ فلسفہ یہ تھا کہ کسی گزیٹڈ آفیسر سے شادی ہو جائے۔ اسی انتظار میں اس کے بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ گزیٹڈ آفیسر شوہر سے مایوس ہو کر اب وہ غیر ملکی سکالرشپ کے لیے کوشاں تھی۔ ان دنوں اس کے سر پر یہی دھن سوار تھی۔

منجھلا بھائی نہر کے محکمے میں ملازم تھا۔ وہ سرتا پا تصنع تھا۔ اس پر مغربیت دیوانگی کی حد تک سوار تھی۔ اس کی بیوی گریجویٹ تھی لہٰذا وہ اور بھی زیادہ انگریز بنتا جا رہا تھا۔ وہ سویرے اٹھ کر بیڈ ٹی پیتا' ناشتے کے ساتھ اخبار کا مطالعہ کرتا۔ وہ گھر میں روزانہ نت نئی تبدیلیاں کرتا رہتا۔ ایک روز پیتل کی ایک گھنٹی لے آیا جو کھانے کی میز پر رکھ دی گئی۔ ناشتے اور کھانے کے وقت اسے بجا کر باقاعدہ اعلان کیا جاتا۔ وہ اپنے بچوں سے ہمیشہ انگریزی میں بات چیت کرتا۔ وہ کوئی بڑا عہدے دار نہیں تھا۔ آمدنی کم تھی اور اخراجات بڑھتے جا رہے تھے۔ جنھیں پورا کرنے کے لیے وہ رشوت خوری کے نت نئے طریقے ایجاد کرتا تھا۔ اس کی صرف ایک ہی خواہش تھی کہ اسے بڑا آدمی سمجھا جائے۔

چھوٹا بھائی بی۔اے کر چکا تھا۔ وہ تمام وقت پڑھنے میں جتا رہتا۔ اس کی زندگی کا ایک ہی مشن تھا کہ کسی طرح سی ایس پی بن جائے۔ شاندار بنگلا، چمکتی کار، "اردلی" اور "سر" کہنے والے ماتحتوں کی پلٹن۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنی بینائی خراب کر چکا تھا۔ وہ موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگاتا تھا۔

سلمان کئی برس بعد آیا تھا اور ان کئی برسوں میں اتنی بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں کہ وہ اپنے ہی گھر میں خود کو اجنبی محسوس کرنے لگا۔ سلمان اس لیے گھر آیا تھا کہ اس کی صحت کچھ سنبھل جائے گی اور جس ذہنی انتشار میں مبتلا تھا اس میں کمی آ جائے گی مگر ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ٹائی فائڈ میں مبتلا ہو گیا۔ ایسا بیمار پڑا کہ ہفتوں بستر پر پڑا رہا۔ یہ اس کی زندگی کا اذیّت ناک دور تھا۔ اس کے بھائی بہنوں کا رویہ افسوس ناک تھا۔ کوئی اس کے قریب آ کر نہ پھٹکتا۔ وہ اس سے اس طرح کتراتے جیسے وہ مجسم ٹائی فائیڈ کی بلا بن گیا تھا جو قریب آتے ہی ان سے چمٹ جاتی۔

سب مل کر قہقہے لگاتے' فلموں پر تبصرے کرتے، لباسوں کے نئے ڈیزائنوں پر بحث کرتے مگر کوئی اس کی علالت کے متعلق بات بھی نہ کرتا۔ چھوٹا بھائی سلمان کے لیے صرف ایک بار ڈاکٹر کے پاس گیا تھا اور واپس آ کر اس قدر احسان جتایا تھا کہ وہ دوبارہ اس سے کچھ نہ کہہ سکا۔ بڑی بہن کبھی کبھار بھولے بھٹکے اس کی طرف آ جاتی۔ کھڑے کھڑے اشاروں سے اس کی طبیعت کا حال پوچھتی اور الٹے قدموں واپس چلی جاتی۔

ایک ماں کی مامتا تھی جو ہر وقت بے چین رہتی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھی رہتی اور اکثر ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وقت پر دوا دیتی' اس کا سر دباتی' بخار کی شدت ہوتی تو اس کے تلوے سہلاتی۔ پیشانی پر کپڑا بھگو کر رکھتی۔ ہر طرح اسے تسلی دیتی۔ کبھی کبھی وہ اپنی بے کسی پر بے قرار ہو کر آب دیدہ ہو جاتا تو وہ اسے سمجھاتی اور سمجھاتے سمجھاتے خود بھی رونے لگتی۔

مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ گھر کے سارے اخراجات قرض پر چل رہے تھے۔ سلمان کے لیے دوا بھی قرض پر آ رہی تھی۔ وہ موسمی کا رس پینا چاہتا تھا۔ طویل علالت نے اسے بچوں کی طرح ضدی بنا دیا تھا۔ وہ ماں سے بار بار موسمیاں منگوانے کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ ماں پہلے تو ٹالتی رہی، پھر اپنی مجبوری پر رو پڑی اور آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ سلمان کو اپنی غلطی کا اچانک شدّت کے ساتھ احساس ہوا۔

لیٹے لیٹے سلمان کی نظر منجھلے بھائی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس نے دیکھا کہ کمرے میں میز پر بہت سے تازہ پھل رکھے تھے اور اس کا بھائی اونچی آواز سے بول رہا تھا۔ وہ بیوی کے ساتھ اپنے ایک بیمار افسر کی عیادت کے لیے ہسپتال جا رہا تھا اور یہ پھل جن میں

سرخ سرخ موسمیاں بھی شامل تھیں اسے پیش کرنے کے لیے بطور خاص منگوائے گئے تھے۔ سلمان نے سب کچھ خاموش نظروں سے دیکھا اور کسی اندرونی چوٹ سے بلبلا کر رہ گیا۔

باپ فجر کی نماز مسجد میں پڑھتا تھا۔ واپسی پر سلمان کے کمرے میں بھی آتا۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ جھک کر سلمان کی پیشانی چھوتا۔ کلائی تھام کر نبض دیکھتا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکالتا۔ اس کے سرہانے کھڑا زیرِ لب کوئی دعا پڑھتا رہتا۔ جب وہ آتا' سلمان کی آنکھ کھل جاتی۔ اس وقت اسے اپنے باپ کے چہرے پر ایک مقدس نور نظر آتا۔ اس کی سفید ڈاڑھی آہستہ آہستہ حرکت کرتی اور آنکھوں میں بے بسی اور مظلومیت جھلکتی۔

سلمان خاموش لیٹا سوچتا رہتا کہ یہ بوڑھا کس قدر بدقسمت ہے۔ اس نے اپنی ساری جوانی موٹی موٹی فائلوں میں سر کھپاتے گزار دی۔ افسران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دس دس بارہ بارہ گھنٹے دفتر میں کاٹے۔ ہمیشہ موٹا جھوٹا پہنا اور روکھا سوکھا کھایا۔ اس نے زائد سے زائد مشقت کی، کم سے کم خرچ اور زائد سے زائد پس انداز کیا اور یہ سب کچھ اس نے صرف اس لیے کیا کہ اس کی اولاد کا مستقبل روشن ہو جائے۔

وہ ہزاروں روپے جو اس نے اپنی خوشیاں نیلام کر کے کمائے تھے' اولاد کی تعلیم پر لگا دیے۔ اس کی تعلیم یافتہ اولاد اور ان پڑھ نیاز میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سلمان سوچا کرتا کہ اس سے زیادہ سمجھ دار تو نیاز کا باپ تھا جس نے اسے کوئی تعلیم نہیں دلائی۔ اپنی گاڑھی کمائی کا ایک پیسہ اس پر صرف نہیں کیا۔ نیاز کو بھی اس سم سم کی تلاش تھی جس کی تلاش میں اس کے بہن بھائی سرگرداں تھے لیکن نیاز نے اس سم سم کا سراغ لگا لیا تھا۔ ان پڑھ کباڑیا تین گریجویٹوں سے بازی لے گیا۔ کوٹھی' کار اور بینک بیلنس جیت کے تین کارڈ اس کے پاس تھے۔ وہ بڑا آدمی بن چکا تھا اور وہ تینوں ابھی تک جیت کے ان تینوں کارڈوں کے خواب ہی دیکھ رہے تھے۔

سلمان کو نیاز سے نفرت تھی اور اپنے بہن بھائیوں سے بھی۔ نیاز نے اسے اس لیے نظرِ حقارت سے دیکھا تھا کہ وہ قیمتی سگریٹ نہیں پی رہا تھا' شاندار سوٹ نہیں پہنے تھا' اس کے پاس کار نہیں تھی۔ وہ مفلوک الحال انسانوں کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ ان کی زندگی سنوارنا چاہتا تھا اور اس کے بہن بھائی اس لیے اسے حقیر اور کم تر سمجھتے تھے کہ اس نے کوئی عہدہ' کوئی منصب' ہتھیانے کی کوشش نہیں کی۔ بینک بیلنس کیوں نہ بڑھایا؟ ان کے نزدیک عوام کی خدمت محض مسخرا پن تھا۔ سراسر حماقت تھی اس لیے کہ وہ بلندی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انھیں مطلق احساس نہ تھا کہ نیچے کروڑوں ننگے بھوکے' کیڑے مکوڑوں کی مانند رینگ رہے ہیں جو ان ہی کی طرح انسان ہیں جن کی خوشیاں اور غم ان سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ اپنی تحقیر اور ذلت کا ان سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

صحت یاب ہونے کے بعد سلمان کی ماں نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ شادی کرے۔ ماں کی خواہش تھی کہ اس کی زندگی ہی میں وہ اپنا گھر بسا لے۔ یہ پروگرام دراصل اس کے باپ کا تھا اور بیوی کے ذریعے سے اس نے سلمان تک پہنچایا تھا۔ متوسط طبقے کے ایک عام باپ کی طرح اسے بھی سلمان کو راہِ راست پر لانے کا ایک ہی مجرب نسخہ سمجھ میں آیا اور وہ شادی کا پروگرام تھا۔

سلمان نے صاف انکار کر دیا۔ مگر جب ماں نے بتایا کہ لڑکی کا چچا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہے، باپ کا انتقال ہو چکا ہے، چچا نے اولاد کی طرح اسے پالا پوسا ہے وہ پانچ ہزار روپیا نقد دے گا اور اس کے علاوہ ملازمت بھی دلوا دے گا تو یہ سن کر سلمان کو سنجیدگی سے غور کرنا پڑا۔

چند روز تک سوچ بچار کرنے کے بعد وہ شادی پر رضا مند ہو گیا۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔

سلمان کو اندازہ ہوگیا کہ اس کی بیوی سیدھی سادی گھریلو لڑکی ہے۔ اس نے میٹرک تک تعلیم پائی تھی۔ اس کا ذہن گویا گیلی مٹی تھا جسے وہ کمہار کی طرح جس سانچے میں چاہتا ڈھال سکتا تھا۔

وہ اس کی توقع سے زیادہ دلکش اور معصوم نکلی۔ وہ خوش تھا کہ اس نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔ جہیز کے علاوہ پانچ ہزار نقد ملے تھے اور ملازمت کے لیے چچا نے حسبِ وعدہ کوشش شروع کر دی تھی۔ شادی کے تیسرے ہی ہفتے ملازمت کا بندوبست ہوگیا۔ سلمان نے بیوی کو گھر پر چھوڑا اور اسی روز پہلی ٹرین سے کراچی کے لیے روانہ ہوگیا۔

(خدا کی بستی)

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

i- سلمان کی آمد پر گھر والوں نے کس تاثر کا اظہار کیا؟

ii- ریٹائرمنٹ کے بعد سلمان کے باپ کی مصروفیات کیا تھیں؟

iii- سلمان کے باپ کو کس بات پر فخر تھا؟

iv- سلمان کی ماں کی گھر میں اب کیا حیثیت تھی؟

v- ماں کو سب سے زیادہ شکایت کس سے تھی؟

2- درست بیان کے سامنے (✓) اور غلط بیان کے سامنے (×) کا نشان لگائیں:

i- ''خدا کی بستی'' کے مصنف کا نام شوکت صدیقی ہے۔

ii- ''خدا کی بستی'' ایک افسانہ ہے۔

iii- شوکت صدیقی نے شاعری بھی کی۔

iv- شوکت صدیقی کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔

v- شوکت صدیقی مستقل طور پر لاہور میں آباد ہوئے۔

3- سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

i- اسی انتظار میں اس کے بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی تھی۔

ii- ایک ماں کی مامتا تھی جو ہر وقت بے چین رہتی۔

iii- اس کے بہن بھائی اس لیے اُسے حقیر اور کم تر سمجھتے تھے کہ اس نے کوئی عہدہ، کوئی منصب ہتھیانے کی کوشش نہیں کی۔

iv- اس کی آمد پر نہ کوئی ہلچل پیدا ہوئی اور نہ ہی کسی نے توجہ دی۔

v- کبھی اس گھر پر اس کی حکمرانی تھی مگر اب کاٹھ کباڑ کی طرح ناکارہ قرار دے کر ایک کونے میں بٹھا دیا گیا تھا۔

4- سبق کے حوالے سے خالی جگہیں پر کریں:

i- وہ اپنی..................کو سرکش اور بدتمیز سمجھتی ہے۔

ii- جب گھر میں..................آتے تو اکثر یہی ڈراما ہوتا۔

iii- سلمان کی بڑی..................لاہور کے کسی کالج میں لیکچرار تھی۔

iv- ان دنوں اس کے..................پر یہی دُھن سوار تھی۔

v- اس کی صرف ایک خواہش تھی کہ اسے..................آدمی سمجھا جائے۔

5- مصنف نے سلمان کی زندگی کے اس دور کو اذیّت ناک قرار دیا ہے۔ کیوں؟ وضاحت سے لکھیں۔

6- ''خدا کی بستی'' کا جو اقتباس آپ نے پڑھا ہے اس کا خلاصہ لکھیں۔

7- ''خدا کی بستی'' کے حوالے سے شوکت صدیقی کے اسلوبِ تحریر پر نوٹ لکھیں۔

8- ''خدا کی بستی'' میں ماں باپ کا جو کردار نظر آتا ہے، اپنے الفاظ میں لکھیں۔